عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ماہنامہ غزالی

محرم الحرام ۱۴۲۷ھ / فروری 2006ء

Reg No: P 476

جلد چہارم : شمارہ :6

فہرست

فی شمارہ : -/15 روپے

سالانہ بدل اشتراک : -/180 روپے

خط و کتابت کا پتہ : مدیر ماہنامہ غزالی

مکان نمبر: P-12 یونیورسٹی کیمپس، پشاور

ای میل:>>> mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

zef_pk@yahoo.com

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و احترام

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی پشاوریؒ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب واحترام کا اللہ تعالیٰ نے اتنا لحاظ رکھا ہے کہ التحیات میں بھی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں آیا ہے بلکہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُ کہا گیا ہے۔ اَلنَّبِی کہہ کر نبوت کو مختص کیا گیا، نبی اور بھی ہیں لیکن النبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور یہ آواز ایسی عام ہوئی کہ کافر بھی جب The Prophet کہتے ہیں تو اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ سلامتی ہوا ے نبی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر اور اللہ کی طرف سے رحمتیں بھی ہوں اور برکتیں بھی ہوں۔ یہاں رَحْمَتِی وَبَرَکَتِی بھی کہہ سکتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے کلام کو اور باوقار و بلند کرنے کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختصاص کے لئے اپنا نام بھی ساتھ کر دیا۔ یعنی اللہ جلّ جلالہٗ کی برکتیں ورحمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُوپر ہوں۔ اللہ کی رحمتیں وبرکتیں دائم ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا نام دائم ہے۔ رحمتوں اور برکتوں میں زیادتی کا یقین ہے لیکن کمی کا احتمال نہیں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات دائم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی برکتیں ورحمتیں دائم ہیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میری ذات سے وجود میں آنے والی جملہ برکتیں اور سلامتیاں تم اس طور پر لو کہ تم اس کے مظہر کامل بن جاؤ۔ ان رحمتوں اور برکتوں کی ایک صورت کو قرآن میں عام کر کے یوں کہہ دیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ○ (الانبیآء: ۱۰۷)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔''

صرف رحمت للمدینہ وللمکة العربیة نہیں کہا یا رحمت فلاں زمانے کے لئے محدود نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کو تمام عالموں کے لئے عام کر دیا۔ جہاں کسی عالَم کا وجود ہے۔ وہاں رحمتِ محمدیہ کا وجود ہے اس عالَم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باعثِ رحمت ہے اور آخرت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم باعثِ رحمت ہونگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے ظہور کی کیا کیا نوعیتیں ہیں اور کس کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت مختلف عالموں میں ظہور پذیر ہوئی اور ہوگی یہ ایک لمبی اور مختلف بحث ہے۔ قرآن میں جہاں اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تخاطب کرتا ہے تو آپ کے نام سے نہیں پکارتا بلکہ

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ○ یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ○ یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ○ یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ○

کے القاب سے یاد فرمایا ہے قرآن میں صرف پانچ موقعوں پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آیا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا تذکرہ نہ ہوتا تو یہ کیسے معلوم ہوتا کہ یہ قرآن کس پر اُترا وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی نام صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعارف کے لئے آیا ہے تخاطب کے طور پر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے ناز اُٹھائے ہیں بقول کسی کے ؎

اپنا بس چلتا، تجھے تجھ سے چھپا کر دیکھتے
پاس آ کر دیکھتے اور دُور جا کر دیکھتے

یہ رحمت کا ظہور تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر کیا گیا۔ ایک جگہ یوں کہا گیا۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط (ال عمران:۱۴۴)

ترجمہ: ''(حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔''

عربی کو نہ جاننے کی وجہ سے کلام کا لطف نہیں آتا مَا اور لا عربی کے قواعد کے لحاظ سے حصر کے صیغے ہیں کہ بات ہی یہی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نرے رسول ہی تو ہیں۔ دوسری جگہ پر ہے (نَزَلَ عَلٰی مُحَمَّد) کہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اُترا۔

ایک جگہ پر ارشاد ربانی ہے: (مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰه) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں ایک اور جگہ پر قرآن میں ہے:

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: ''(لوگو!) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہیں، لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے۔''

یہاں بھی نبوت و رسالت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبین ہیں اور ہر رخ سے خاتم النبین ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرتبی، زمانی اور مکانی لحاظ سے خاتم النبین ہیں۔ جہاں بھی کوئی مکان ہے تو وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہے۔ ختم النبوۃ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقام اور منصب ہے جس کے اندر اگر بہ فرض محال نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی اور جملہ امکنہ اور ازمنہ میں جتنے ممکن رسول اور انبیاء ہو سکتے، تو ان سب کی نبوتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم النبوت میں ہوتیں، ختم النبوۃ کا انکار، نبوت کا انکار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم النبوۃ اپنے دائرہ میں، ابتداء اور انتہاء دونوں کو لئے ہوئی

ہے اس بناء پر فرمایا کہ میں اس وقت بھی خاتم النبین تھا کہ جس وقت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے بیچ میں تھے۔تمام انبیاء علیھم السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کیا ہے۔

وَاِذْاَخَذْنَامِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ص وَاَخَذْنَامِنْھُمْ مِّیْثَاقًاغَلِیْظًاO (الاحزاب: ۷)

ترجمہ: ''جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسٰیؑ سے اور مریم کے بیٹے عیسٰیؑ سے،اور ہم نے ان سے (پکا اور) پختہ عہد لیا۔''

جیسے ایک میثاق الست ہے ایسے ایک میثاق نبوت ہے۔

یہ رمزی بے بصیرت ہے تیرے اوصاف کیا جانے

جس طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت کما حقہ ممکن نہیں اسی طرح سید الانبیاء وحبیب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کما حقہ ممکن نہیں۔ بقول حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کہ جب ہم کہتے ہیں کہ:

ولی راولی می شناسد یعنی ولی کو ولی پہچانتا ہے اور نبی را نبی می شناسد یعنی نبی کو نبی پہچانتا ہے۔تو پھر اس ترتیب سے خاتم الانبیاء را خدا می شناسد یعنی خاتم الانبیاء کو اللہ تعالیٰ پہچانتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک پہلی کتابوں میں لیا ہوا ہے واسمہ احمد، محمد واحمد بڑے پیارے نام ہیں۔محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معنی ہیں جس کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہو۔اور احمد جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو یعنی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے والا ہو۔

قرآن کا پہلا لفظ الحمد للہ اور جنتیوں کی آخری دُعاء ''وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰہ'' میدانِ حشر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لواء الحمد (کا جھنڈا) اور قیامت کے دن آپ کو جو مقام دیا جائیگا وہ مقام محمود ہوگا۔اور اللہ کے نام بھی حمید وحامد ہیں سب اسماء کا مادہ ایک ہے اللہ تعالیٰ کے کمالات اور صفات کا ظہور اگر انعکاسی ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور اگر ذاتی ہے تو وہ اللہ کی ذات ہے۔

من جلوہ گاہ ذاتم من مظہر صفاتم

محمد،احمد وحامد جیسے خود حق نے فرمایا۔ازل سے جس کے سر پر ہے لواء الحمد کا سایۂ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ربّ العالمین ہونے کا اِرادہ فرمایا اور اپنے کو ربّ العالمین فرمایا،اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت کا مظہر بنا کر رحمۃ للعالمین بنایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کما حقہٗ تعریف کون کرسکتا

ہے جیسے شاعر کہتے ہیں کہ تیری آنکھیں ایسی ہیں، چہرہ ایسا ہے۔توان کا لطف وہ لے سکتا ہے جس کا باب العشق سے واسطہ پڑا ہو۔اللہ تعالیٰ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کے متعلق قرآن میں فرماتے ہیں۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ ج(البقرة: ١٤٤)

کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کے چہرہ کو آسمان کی طرف بار بار اُٹھتا اور لوٹتا دیکھتے ہیں۔ہم پھیر دینگے آپ کے چہرہ کو اس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے متعلق فرماتے ہیں۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰیO (الضحیٰ: ٥)

ما بہ دولت تمہیں متواتر دیتے چلے جائینگے یہاں تک کہ تم کو راضی کر دینگے ایک اور جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتے ہیں۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَO (الشرح: ١)

کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔

وَمَارَمَیْتَ اِذْرَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ج(الانفال: ١٧)

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے وہ پھینکی۔

یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ج(الفتح: ١٠)

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

مَاضَلَّ صَاحِبُکُم وَمَا غَویٰ (نجم: ۲)

ترجمہ: نہیں بہکا تمھارا رفیق اور نہ بے راہ چلا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام وشان کو کھولا ہے۔

معراج کا واقعہ ہے،حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر پہنچے ہیں جہاں جبرائیل امین بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں،شعر ہے۔ ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم

فروغ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ:اگر میں ایک بال برابر بھی اُوپر اُڑوں تو اللہ تعالیٰ کی تجلیات کی فراوانی سے میرے پر جل جائینگے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلوٰۃُ وَالطَّیِّبَاتُ

ترجمہ: ''کہ اے اللہ تمام جانی و مالی عبادتیں اور پاکیزہ چیزیں تیرے لئے ہیں''

اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیکَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ وَرَحمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

ترجمہ: ''اے نبی! تیرے اُوپر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو اور اُن کی برکتیں و رحمتیں تیرے شامل حال ہوں''

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں، برکتیں اور سلامتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ ایسی منسلک ہوگئیں کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی ہے وہاں سلامتی برکتیں اور رحمتیں ہیں۔ جب فرشتوں نے یہ سنا تو انہوں نے کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَینَاوَعَلیٰ عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِین

ترجمہ: ''کہ ہم پر بھی سلامتی ہو اور جتنے بھی اللہ تعالیٰ کے صالح و نیک بندے ہیں ان پر بھی سلامتی ہو''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ سلام تو ہم نے سیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیہِ وَسَلِّمُوا تَسلِیمًاo
(الاحزاب: ۵۶)

ترجمہ: ''یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجتے ہیں پس اے ایمان والو! تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجو''

صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ دُرود ہم کس طرح پڑھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو دُرودِ ابراہیمی جو نماز میں پڑھا جاتا ہے بتایا۔ اس دُرود کا ماخذ سورۃ ھود کی وہ آیتیں ہیں۔ جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

رَحمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ عَلَیکُم اَھلَ البَیتِ ط اِنَّہٗ حَمِیدٌ مَّجِیدٌo (الھود:۷۳)

یہاں حمید مجید کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جس شخص کا نام لیا جاتا ہے تو وہ متوجہ ہو جاتا ہے جب آپ حمید کہیں گے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کی شعاعیں متوجہ ہوں گی آپ نے مجید کہا مجد عزت کو کہتے ہیں تو اللہ کی مجد کی ترشح ہوگی۔ جس سے آپ معزز بنیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو عزت یاب کرینگے۔ اللہ کی صفت مجید کا ظہور (وَرَفَعنَا لَکَ

ذِکرکَ) ہے جب فرشتوں نے کہا۔

وَعَلَینَا وَعَلیٰ عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِین

تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

اَشْھَدُاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّااللہ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًاعَبْدُہٗ وَرَسُولُہٗ

معراج کے مقام پر بھی توحید الٰہی کے سوا دوسرا نہیں۔سوائے خدا کے کوئی اور معبودیت کے قابل نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رسالت وعبدیت کا اقرار کرتے ہیں اس پیارے کلام کو اللہ تعالیٰ نے نماز کا جزو بنایا۔ گیارہ مرتبہ صرف فرض نمازوں کے اندر اَلتَّحِیَّات میں پڑھتے ہیں الفاظ کی ترتیب اس رُخ سے رکھ دی ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ نے ،فرشتوں نے ،اور حضو صلی اللہ علیہ وسلم نے کہہ دیا تھا اور یہاں جس نے بھی کہا اس کی بات معلوم ہوتی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز جیسی عظیم الشان عبادت میں یاد رکھا گیا، رکھوایا گیا۔تخاطب کے صیغے میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہم اُمتی کیوں محروم ہوں۔تو ہم سب کو بھی اس سلامتی میں شامل کیا۔اسلام ذاتی فائدہ کا مذہب نہیں کہ سلامتی صرف میرے اُوپر ہو بلکہ تمام صالح بندوں کے اُوپر سلامتی پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحدت اور اپنی رسالت اور عبدیت کی گواہی دی اور پھر اسکے ساتھ دُرود بھی منسلک کیا۔حاصل کلام یہ ہے کہ اَلتَّحِیَّات کا مقام خیال میں ہو کہ یہ کلمات کس نے کہاں کہے تھے پس منظر یعنی معراج کا مقام خیال میں ہو تو تم کو نماز میں معراج کا لطف آ جائیگا۔اور پس منظر سے پیش منظر بن جائیگا۔نماز کے اندر اَلتَّحِیَّات کا وجود اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا تحفہ ہے کہ اگر اس کی حقیقت ہم پر کُھل جائے تو بار بار پڑھتے جائینگے اور فائدے حاصل کرتے رہینگے۔اللہ تعالیٰ نے جو اعمال ہم پر فرض کیئے ہیں ہم کو ان کا ظاہری اثر معلوم ہو یا نہ ہو لیکن ہر عمل اپنا اُخروی اور باطنی اثر رکھتا ہے۔اگر ہم نمازوں کو صحیح رُخ سے پڑھتے رہیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کا اثر ظاہر ہو ہی جائیگا۔یہ نہیں کہ ہم نے آج درخت لگایا اور صبح جا کر دیکھنے لگے کہ پھل لگ گیا ہے یا نہیں۔یا ایک ننھا بچہ پیدا ہوا اور وہ دوسرے دن کہنے لگے کہ میرا بھی کوئی بچہ ہے۔ہر چیز اپنے موقع اور محل پر ظاہر ہوتی ہے اور وجود میں آتی ہے اسی طور پر اعمال کے اثرات یقینی اپنے وقت پر ظاہر ہونگے بشرطیکہ اس میں کیڑا نہ لگ گیا ہو۔

------☆☆☆☆☆------

ترکِ دُنیا کر، نہ ہر لذّت کو چھوڑ معصیّت کو ترک کر، غفلت کو چھوڑ
نفس وشیطان لاکھ درپے ہو مگر تُو نہ ہرگز ذِکر اور اطاعت کو چھوڑ (مجذوبؒ)

﴿اصلاحی مجلس﴾

〈حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہٗ〉

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَامَن یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَامُضِلَّ لَہٗ وَ مَن یُّضْلِلُہٗ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَن لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ. اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِO(الذّٰرِیٰت: ۵۶)

ترجمہ: ''میں نے جنات اور انسانوں کو محض اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْO وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْO وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْO یَفْقَھُوْا قَوْلِیْO
(طٰہٰ: ۲۵،۲۶،۲۷،۲۸)

ترجمہ: ''اے میرے ربّ! میرا حوصلہ فراخ کر دیجئے۔ اور میرا (یہ) کام (تبلیغ کا) آسان فرما دیجئے۔ اور میری زبان پر سے بستگی (لکنت کی) ہٹا دیجئے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔''

محترم طلباء و طالبات! آپ کے ڈیپارٹمنٹ میں یہ ایک کافی عرصے سے روایت سیرت کے موضوع پر بات کرنے کی چلی ہوئی ہے۔ اُسی سلسلے میں میں حاضر ہوا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وشعور دونوں دیے ہیں، باقی حیوانات کو شعور دیا ہے۔ گرمی لگے تو سائے میں آجاتے ہیں، بھوک لگے تو کھانے کے پیچھے چلتے ہیں، یہ شعور ہے۔ اب اُن کو کھانا کہاں سے ملتا ہے اپنے مالک کے کھیت کا ملتا ہے، پرائے کھیت کا ملتا ہے اس کا اُن کو کوئی پتہ نہیں ہے۔ اور انسان کے پاس شعور کے بعد عقل بھی ہے کہ وہ ہر اِک چیز کو دیکھتا ہے، اُس کے بارے میں سوچتا ہے اور اس کے بارے میں پھر یہ فیصلہ کرتا ہے۔ تو انسان کے لیے سب سے اہم چیز جو بہت اہم بھی ہے، ضروری بھی ہے اور اس کے لیے پریشانی کا ذریعہ بھی ہے، وہ اس کی عقل ہے کہ ہر چیز کے بارے میں سوچتی ہے اور فیصلہ طلب کرتی ہے، اس سے فیصلے پر پہنچنا چاہتی ہے۔ تو باعقل باشعور مخلوقات ہونے کے ناتے جو ہم انسان ہیں ہر ایک آدمی سوچتا ہے۔ گرد و پیش میں جو کائنات ہے یہ کیا ہے؟ یہ کیسی بنی ہے؟ یہ کیسے چل رہی ہے؟ اور کس طرف کو چل رہی ہے؟ اور اس کا نتیجہ کیا ہے؟ میں انسانوں میں کہاں سے آیا ہوں؟ کیسے پیدا ہوا ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ کیا میرا کوئی مقصد ہے اور میں کس طرف چل رہا ہوں؟ انجام میرا

کیا ہے؟ وغیرہ۔ یہ سوالات تو سارے عقل والے اور باشعور طبقے کو ہر روز پریشان کرتے ہیں، ہر روز آدمی اس کے بارے میں سوچتا ہے۔ انسان کے پاس عقل کو باہر سے معلومات ملنے (Feed کرنے) کے تین راستے ہیں، دیکھنے کا راستہ ہے، سننے کا راستہ ہے اور بولنے کا راستہ ہے۔ یہ خود بول کر دوسرے کو (Feed) کرتا ہے یا دوسرے کے بول کو سن کر اپنے اندر کوئی چیز (Feed) کرتا ہے، دیکھنے سے یہ چیز جب باطن میں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو اس کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ اب مشاہدے سے انسان کے پاس عقلی علوم وجود میں آئے ہوئے ہیں جن کو کہ آپ پڑھتے ہیں ایک خالص سائنس کی شکل میں، جو فزکس ہے, کیمسٹری ہے اور ایک (Meta Physical) مابعد الطبیعاتی مضامین کی شکل میں جو منطق ہے, فلسفہ ہے اس شکل میں انسان نے سب سے پہلے اپنے مشاہدے کے تحت بحث و مباحثہ کر کے، غور و فکر کر کے دوسرے کے ساتھ مشورہ کر کے ان سوالات کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی ہوئی ہے۔ اور وہ چیز ہمارے پاس فلسفہ کی شکل میں موجود ہے اور فلسفہ والوں نے بہت دعویٰ کیا کہ ہم سب سے زیادہ فوقیت والے اور (Superior) لوگ ہیں۔

ہم انسانوں اور حیوانات کے بارے میں جانتے ہیں ہم سارے سوالوں کا جواب دے سکتے ہیں اور اس کے روشنی میں ہم انسان کو ایک عملی سوچ اور عملی زندگی دے سکتے ہیں اور اس کے تحت کئی (Schools Of Thought) یعنی مکاتبِ فکر وجود میں آئے۔ ان کے نظریات اور ان کے فلسفے، اُنکی کتابیں اور انکی عملی زندگی کے بارے میں رہنمائی سامنے آتی رہی۔ ہمارے پاس اس وقت علمی دُنیا میں یونان کا فلسفہ (Recorded) شکل میں ہے، شائع ہوا ہے، اُس پر بحث ہے، غور و فکر ہے۔ یونانی فلسفی افلاطون کے سامنے کسی نے موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا اور ان کی باتیں اُس سے کہیں تو اُس نے کہا کہ باتیں بڑی اچھی ہیں جن لوگوں کو فلسفہ نہ آتا ہو اُن کو اس آدمی کی ضرورت ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ اُن کو تو ضرورت ہے میں تو خود فلاسفر ہوں مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ افلاطون اور ارسطو کا قدیم فلسفہ ہے یا جدید فلسفہ ہے جس کے حوالے آپ کے پاس موجود ہوں گے۔ نفسیات (Psychology) والوں کے پاس موجود ہوں گے یا منطق (Logic) والے جو مختلف ڈیپارٹمنٹ ہیں اُن کے پاس ان کی کتابیں موجود ہوں گی۔ اُن سب کی باتیں، اُن کی تحریریں، اُن کی رہنمائی سالہا سال سے وجود میں ہے۔ اُس کے نتائج دیکھتے ہیں کہ انکی رہنمائی نے انسان کو کیا فائدہ دیا ہے، کیا نقصان دیا ہے۔ مثلاً افلاطون کی ایک کتاب ہے (Welfare State) اس میں اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ میں ایک نظام فلاحی ریاست (Welfare State) کا دے رہا

ہوں اتنی (Ideal) اوراتنی معیاری اوراتنی زیادہ رفاہی اوراتنی زیادہ خیرخواہی والی ہے کہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا، ساری زندگی کا نچوڑ اس میں میں نے بیان کیا ہے لیکن وہ رفاہی ریاست کا تصور ایک خوبصورت (Discussion) یعنی بڑی خوبصورت بحث کی شکل موجود ہے۔ لیکن وہ رفاہی ریاست کبھی وجود میں نہ آئی۔ اوراس کے فوائد انسانوں کو نہیں مل سکے۔

آج کے دور کے فلاسفر (Dell Cornagie) نے ایک کتاب لکھی ہے Stop Worrying, Start Lliving) اُردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے ''پریشان ہونا چھوڑیئے اور جینا شروع کیجئے'' اتنی دانشورانہ بحثیں ہیں پریشانیوں کے حل کے لیے اور مشکلات کے دُور کرنے کے لیے اور ایک ہموار، خوشگوار زندگی کے لیے ایسی دانشوارنہ بحث ہے کہ اہلِ کفر میں سے ایسی دانشوارانہ بحثیں میں نے کسی کی نہیں دیکھی ہیں۔ جتنا لکھا ہے عجیب وغریب ہے، کبھی موقع ملے تو اُس کو پڑھیں۔ اُس کی ساری کوششیں انسانوں کی پریشانیوں کے حل کرنے، سُکون کے ساتھ جینے کے لیے رہنمائی پر ہیں۔ اورآپ یہ سن کر حیران ہونگے کہ (Dell Cornagie) اپنی زندگی میں اتنا ناکام رہا ہے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔ اتنی دانشوارانہ کتاب لکھنے کے بعد خود اُس نے خودکشی کی۔ تو اس ساری بات سے میں آپ کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ وہ فلسفہ، وہ نفسیات، وہ منطق اور وہ دانشوری جو انسان نے اپنی سوچ وفکر کے تحت مدوِّن کی ہے، اُس کا انجام ہمارے سامنے ہے۔

نوے (۹۰) سال پہلے کمیونزم کا فلسفہ کارل مارکس نے پیش کیا۔ یہودیوں کا یہ تجربہ تھا کہ سرمایہ دارنہ نظام اور عیسائیت اتنا چھایا ہوا ہے کہ اس کے زور کو ہم توڑ نہیں سکتے۔ اُنھوں نے دوسو (۲۰۰) آدمی ٹرین میں بٹھا کر رُوس میں اُتارے ہیں، جس میں لینن وغیرہ یہ سارے ہیں اور انھوں نے کارل مارکس کے فلسفہ کے تحت انقلاب برپا کیا اور دُنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کیا۔ جس وقت عیسائی کی گردن پر کمیونسٹ کی تلوار آکر لگی ہے اُس کی گولی کی زد میں یہ آیا تو اتنا پریشان وہراساں ہوا کہ یہودی کی جھولی میں آکر گر گیا۔ اِس وقت امریکہ اور برطانیہ جو دھکے کھا رہے ہیں اور ساری دنیا کو پریشان کیا ہوا ہے یہودیوں کی وجہ سے ہے۔ اس وقت دنیا میں تین صیہونی ریاستیں (Zoinest States) ہیں، امریکہ، اسرائیل اور برطانیہ۔ لیکن ۷۰ سال بعد انسان اس سے اتنے نالاں ہوئے کہ اُس فلسفے کو دھڑام سے گرنا پڑا۔ یہ میں نے تھوڑا سا نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا انسانی تاریخ کا کہ زندگی کے بارے میں یہ رہنمائی کتنی ناکام رہی۔

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی رہنمائی کے لیے اس کی اپنی سوچ فکر سے اُوپر کسی چیز کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر اپنی سوچ فکر کے ذریعے سے اس کی رہنمائی ہو کر اس کو کامیابی میسر ہو سکتی تو افلاطون اور ڈیل کارنیگی کی دانشوری اسے کامیاب کر دیتی۔ جن لوگوں نے سائنس پڑھی ہے، میٹرک کی سائنس، اُن کو یاد ہو گا کہ روشنی جب چیز پر پڑتی ہے پھر منعکس (Reflect) ہوتی ہوئی آتی ہے، یہ ایک (Straight Beam) یعنی سیدھی شعاع کی شکل میں آتی ہے، چیز پر پڑنے کے بعد یہ منعکس (Reflect) ہوتی ہے مختلف زاویوں (Angles) سے۔ اور یہ مختلف (Angles) اس چیز کو وجود بخشتے ہیں۔ وہ آ کر ہماری آنکھ جو کیمرے کی طرح ہے اس کے سارے واسطوں سے گزر کر پیچھے (Retina) آنکھ کے پردے پر پڑتی ہے اور ایک شبیہ (Image) بناتی ہے وہ پردہ اس کو دماغ کو بھیجتا ہے اور دماغ اس کو دیکھتا ہے۔

گویا ایک بصارت اور ایک روشنی دو چیزوں کی ضرورت ہے آنکھیں ٹھیک ٹھاک ہیں بصارت ٹھیک ٹھاک ہے۔ روشنی نہیں ہے اندھیرا ہے کوئی چیز نظر نہں آتی ہے اور روشنی خوب پھیلی ہوئی ہے اور انسان کی آنکھ میں کسی وجہ سے بھی (Defect) نقصان آ گیا تو یہ دیکھ نہیں سکتا۔ گویا روشنی کی بھی ضرورت ہے اور بصارت کی بھی ضرورت ہے، روشنی کے بغیر سارے انسان اندھیرے میں ہیں، ناکام ہیں، کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اب جتنے بھی دانشوری کے نظام یہاں پر بنے ہوئے ہیں، جتنی بھی سائنسی ترقی ہے، علمی ترقی ہے، اس میں سے کوئی بھی نظام وجود میں نہیں آ سکتا اگر روشنی نہ ہو۔ ایک مہینے تک روشنی نہ ہو تو کتنی کمزوری آ جائے گی اور ایک سال تک روشنی نہ ہو تو آپ کے سارے علوم بیٹھ جائیں گے، ختم ہو جائیں گے۔ ہم میڈیکل کالج سے کوئی گریجویٹ نہیں نکال سکیں گے کہ وہ آئندہ اس چیز کو سمجھ رہا ہو۔ تو یہ مادی روشنی ہے جو انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج کے ذریعے سے دی ہے اب اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک دوسری روشنی بھی انسانوں کو دی ہے، وہ وحی کی روشنی ہے۔ اور وہ انبیاء علیھم السلام کے ذریعے سے دی ہے اور وحی کی روشنی نے اس زمین پر اپنا ریکارڈ چھوڑا ہوا ہے۔ اس ریکارڈ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک زبردست (Archeological) طریقے سے بند کر کے انسانوں کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ قرآن پاک نے نوح علیہ السلام کے طوفان کا تذکرہ کیا، قومِ نوح کے طوفان اور تذکرے کا ہمارے پاس ابھی تک (Archeological Record) ہے جس کو کوئی رَد (Contradict) نہیں کر سکتا۔ کوہِ آراراٹ، کوہِ جودی کی چوٹی پر ایک کشتی پڑی ہوئی ہے برف میں دبی ہوئی۔ جس سال برف باری کم ہو، دھوپ زیادہ چمکی ہوئی ہو اور کوئی محتاط پائلٹ ہو، زمین کو دیکھنے والا اچھے طریقے سے، تو وہ اُس کشتی کی کنارے کو وہاں پر دیکھ سکتا ہے۔ اور کوہِ آراراٹ کے دامن میں ابھی بھی وہ بستی موجود ہے جس بستی کا نام ہے

اسّی (۸۰) آدمیوں کی بستی ۔ وہ اسّی (۸۰) آدمی جو طوفان میں بچے ہوئے ہیں وہ وہاں پر آباد ہوئے ہیں، اُن اسّی (۸۰) آدمیوں کا تذکرہ اب بھی ہے، زمین پر موجود ہے۔تو وہ رہنمائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعے وحی بھیجی اور اُس وحی نے انسانوں کو روشنی دی اور اُس روشنی کو لے آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک انبیاء علیہم السلام آتے رہے ہیں۔ اُن کی تعلیمات ،اُن کی تحریکات اور اُن کی جدوجہد، اُن کے ماننے والے، اُن کے پیروکار، اُن کے نتائج زمین پر آئے اور وہی پائیدار ہوئے۔ اس وقت بھی اگر پیروکاروں اور ماننے والوں کا زمین پر تذکرہ ہے تو کسی نہ کسی پیغمبر کے نام پر تذکرہ ہے۔ دُنیا کی آبادی کا ایک تہائی مسلمانوں کی شکل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے سے آباد ہے۔ ایک تہائی دُنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے سے آباد ہیں۔ اور ایک تہائی دُنیا یہودی کی شکل میں اور دانیال علیہ السلام کے ماننے والوں کی شکل میں اور حضرت شعیب علیہ السلام کے ماننے والوں کی شکل میں اور مختلف پیغمبروں کے ماننے والوں کی شکل میں موجود ہے۔ اور بہت تھوڑی دُنیا اور تھوڑی تعداد انسانوں کی ہے جو کہ (Atheist) خدا کو نہ ماننے والے یا پیغمبروں کو نہ ماننے والوں کی شکل میں موجود ہے۔تو گویا ابھی تک انسانوں کی ایک کثیر تعداد وحی کی روشنی کے ساتھ مربوط انسانوں کی ہے۔

اب اگلی بات .... نتائج کو دیکھیں تو عملی طور پر کس نے مسائل کو حل کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تورات کو نافذ کرنے کے لیے ۷۰ ہزار پیغمبر آئے۔ تورات بہت لمبے عرصے تک چلنے والی شریعت رہی ہے یعنی ۷۰ ہزار پیغمبروں کی شریعت۔ قرآن پاک کی آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے درمیان میں نے انبیاء اور بادشاہ بھیجے۔تو ایک عرصہ دراز تک زمین پر تورات کا دوردورہ رہا ہے، وہ نافذ رہی ہے۔ اُس کے مطابق حکومتیں بنی ہیں انسانوں کے مسائل حل ہوئے ہیں ان کی زندگیاں آسودہ اور خوشگوار ہوئی ہیں۔ تو گویا انسان کو اپنے مسائل کے حل کے لیے وحی کی روشنی کی ضرورت تھی اور اس کے بغیر یہ اپنے مسائل کو حل نہیں کرسکتا تھا اور نہ جس نے بھی اپنی سوچ وفکر یا انسانی فلسفوں کی روشنی میں زندگی کو گزارنا شروع کیا وہ ناکامی کے سوا کچھ نہ دیکھ سکے، تکالیف اور مصیبتیں اُنھوں نے اُٹھائیں اور پریشانی کی زندگی گزاری۔ اور جو انبیاء علیہم السلام کے زیرِ سایہ آئے اُن کو سُکھ والی آسودہ اور کامیاب زندگی ملی ہے۔ ہم اور آپ ایک اُصول کو ساری زندگی میں مانتے ہیں کہ ہر تخلیق کا خالق ہے اور ہر ایک فعل کا فاعل ہے۔ ہر بنی چیز کو بنانے والا ہے اور ہونے والے عمل کا کوئی کرنے والا ہے۔ کسی جگہ زندگی میں آپ اس اُصول کو (Contradict) رَد کرسکتے ہیں؟ کسی جگہ رد نہیں کرسکتے۔ بنی ہوئی چیز کا

بنانے والا ہے اور جو کچھ ہورہا ہے اُس کا کرنے والا ہے جب ساری زندگی آدمی ایک اُصول کو رَد نہیں کرسکتا تو کائنات کے بنانے والے اور کائنات کا چلانے والے کا کیوں رَد کرتا ہے۔صرف ایک جگہ آکر رَد کرتا ہے ۔جب ساری زندگی، ساری عمر ہزارہا دفعہ یہ سوال تیرے سامنے آیا ہے کہ ہر تخلیق کا خالق ہے اور ہر فعل کا فاعل ہے ہر جگہ تُو نے ہاں کیا ہے کہ یہ دُرست ہے صرف ایک اللہ تعالیٰ کو ماننے کی جگہ پرتُو آکر اس کو رَد کرتا ہے۔ یہ بیوقوفی کی علامت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔اس کو تو ماننا پڑے گا جس طرح میں نے شروع کہا کہ بنانے والا بھی کوئی ہے اور چلانے والا بھی کوئی ہے۔

مجھ سے طلباء نے سوال کیا کہ (Sir) فرض کریں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا وقت آئے گا کہ لوگ آپ سے یہ سوال کریں گے کہ ہمیں اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ سیدھا سادہ زمانہ تھا، عرصہ گزرتا گیا حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بوڑھے ہوگئے تو اُن سے ایک نوجوان نے سوال کیا تو اُنہوں نے اُس نوجوان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ تُو وہ پہلا آدمی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق میرے سامنے آگیا اور سوال کیا تو میں نے طلباء سے کہا کہ زمین کا ۲۴ ہزار میل کا محیط (Circumference) ہے۔تو ایک لمبی تسبیح آپ بنائیں ۲۴ ہزار میل لمبی ہو اور اُس کو لے کر دُنیا کے ایک سرے پر بیٹھیں اور اُس پر کہیں کہ مجھے اللہ نے بنایا اور اسکو دوسرے اللہ نے بنایا، اُس کو دوسرے اللہ نے بنایا، اسکو پھیرتے جاؤ پھیرتے جاؤ، پھیرتے جاؤ، کھانا پینا بھی چھوڑ دو، بیٹھے ہوئے بس یہ کہے جاؤ، تو کیا نتیجہ ہوگا؟ اُسی جگہ خشک ہوکر مرجاؤ گے۔اب دانشوری اور دانائی کیا کہتی ہے؟ وہ کہتی ہے کہ آپ کسی چیز کی ابتداء مانیں گے اس کی انتہا مانیں گے۔ظاہر مانیں گے، باطن مانیں گے تو کام چلے گا۔ان چار خطوط میں وجود بیان ہوتا ہے۔اول آخر ظاہر باطن۔اول سے پہلے آپ نکلنا چاہیں تو آپ اُلجھ جائیں گے۔آپ اپنے آپ کو (Destroy) تباہ کردیں گے کسی جگہ سے آپ کو ابتداء ماننی پڑے گی۔ایسے ہی انتہا کو مانے بغیر بھی کام نہیں چل سکے گا۔اگر ظاہر سے پہلے آپ کچھ دیکھنا چاہتے ہیں تو اُس سے پہلے کچھ دیکھا نہیں جاسکتا۔ (You have got confused and you are destroying your future.) آپ اُلجھ گئے اور آپ اپنا مستقبل تباہ کرنا چاہتے ہیں۔اور باطن سے آگے دیکھنا چاہتے ہیں تو یہی بات ہے۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف کرایا کہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، وہ اوّل

ہے وہ آخر ہے وہ ظاہر ہے وہ باطن ہے، اے انسان! یہ چار اُصول ہیں جس کے اندر تُو حقائق کو بیان کرتا ہے اور زندگی کو شروع کرتا ہے اور نتائج کو حاصل کرتا ہے کسی چیز میں بھی اس سے باہر تُو نہیں نکلتا۔

میں آپ کو مثال دوں کہ ریاضی (Mathematics) کی کلاس میں استاد کہے کہ (Suppose) فرض کرو تو کوئی (Student) طالب علم کھڑا ہو کہ (Sir)، (The most accurate science is mathematics.)، سب سے صحیح سائنس ریاضی ہے وہاں آپ یہ کہتے ہیں کہ فرض (Suppose) کریں میں کیوں (Suppose) کروں۔ (Mathematics) میں (.Two and two makes four)، دو اور دو چار ہوتے ہیں، اتنی (Accurate) چیز ہے اس میں تو (Suppositions) نہیں ہوتی۔ استاد تھوڑی دیر اُس (Student) کو سمجھائے گا کہ بچے آپ ذرا مان لیں اور میں آپ کو اس کا ٹھیک جواب نکال کر دِکھاتا ہوں۔ اگر اُس نے نہ مانا تو اُستاد کیا کرے گا، وہ کہے گا کہ اس بچے کو کلاس سے باہر نکال دو۔ افلاطون اگر زندہ ہو تو اُس کے پاس اس کو لے جاؤ اور اگر زندہ نہ ہو تو اُس کے قبر پر لے جاؤ کیونکہ اس بچے کے ہوتے ہوئے میں جو چیز کلاس کو دینا چاہتا ہوں، جو مسئلہ حل کرنا چاہتا ہوں وہ حل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ اوّل کو نہیں مان رہا ہے۔ اوّل کو نہیں مان رہا ہے اور اوّل کو مانے بغیر مسئلہ نہیں حل ہوتا۔ (He will have to suppose and then he will reach to an accurate conclusion.) اسے پہلے فرض کرنا پڑے گا پھر کہیں صحیح جواب پر پہنچے گا۔ ریاضی کے اسی مسئلے میں آگے چل کر (One) ایک آجاتا ہے، کہتے ہیں ایک کو تین پر تقسیم کریں یہ تقسیم اعشاریہ تین تین کبھی حل نہیں ہوتی، ۲۴ ہزار میل زمین کا محیط (Circumference) ہے۔ اس کے کاغذ بنا کر اور سارے درختوں کے قلم بنا کر اس پر حل کرنا شروع کریں۔ (Is it possible to solve it?) کیا اس کو حل کرنا ممکن ہے؟ کوئی حل نہیں کرسکتا یہ اعشاریہ تین تین (Point Three, Three) ۲۴ ہزار میل تک چلے گا۔ یہ حل (Solve) نہیں ہوتا تو (Teacher) کہا کرتا ہے کے (Decimal) اِعشاریہ کے بعد ایک، دو (Maximum) یا تین تک حل کروا تنا کافی ہے (Accruracy) مسئلے کی صحت کے لیے۔ اس سے آگے نظر انداز کریں (.Neglect it)، اس پر دوسرا (Student) کھڑا ہوجاتا ہے کہ (?Sir, Why neglect it) کیوں نظر انداز کریں۔ کہ ریاضی (Mathematics) اتنی نپی تلی سائنس (Accurate Science) ہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ (Two and two

(.makes four)،اس حدتک ہےاورآپ کہتے ہیں کہ (.Neglect it)۔میں (Neglect) نہیں کرتا ،میں اس کو (Solve) یعنی حل کرتا ہوں ،تو وہ کہے گا کہ اس دوسرے کو بھی باہر نکال دو۔اسکو بھی افلاطون کے پاس لے جاؤ اور اگر مر گیا ہو تو اس کی قبر پر لے جاؤ، اس کے ہوتے ہوئے مسئلہ حل نہیں ہوتا، جب ابتداء کو فرض کرتا ہے اور ایک کی تقسیم کو نظر انداز کرتا ہے تب استاد ٹھیک حل (Solution) دے دیتا ہے۔زندگی ہے ہی مختصر، انسان کا دماغ ہے ہی مختصر، اس کے وسائل ہیں ہی مختصر، انجینئر کو ، ڈاکٹر کی بات مان کر چلنا پڑے گا۔ڈاکٹر کے ساتھ (Reasoning) یعنی بحث نہیں کر سکتا کیونکہ اگر (Reasoning) کرنا چاہتا ہے تو اُس کو پھر سترہ سال لگانا پڑیں گے، پھر جب آئے گا ڈاکٹر کے پاس تب (Reasoning) کر سکے گا۔اور ڈاکٹر اگر مکان کی تعمیر میں انجینئر سے (Reasoning) کرنا چاہے تو (Reasoning) نہیں کر سکتا اُس کو غیب کے یقین (Blind Faith) کے ساتھ ماننا پڑے گا اور کرنا پڑے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کو چاہتا ہے کہ ہم اُس کی اُلوہیت کا ،سارا تجربہ ،علم اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر (Blind Faith) کے ساتھ اقرار کریں مان لیں ....جس طرح کوئی آدمی اندھا ہو بہت سخت رش میں سڑک پار کرنا چاہتا ہو اور دوسرا آدمی کہے کہ میری آنکھیں ہیں تُو میرا ہاتھ پکڑ لے،بس پھر وہ ہاتھ پکڑنے کے بعد کچھ نہیں کہتا کہ آپ مجھے کدھر لے جا رہے ہیں۔آگے پیچھے کچھ بھی نہیں کہتا تو اگر وہ اس بات کو کرلے تو صحیح سلامت پار ہو جاتا ہے اور اگر وہ بحث (Reasoning) کرنا چاہے کہ پہلے آپ مجھے ثبوت (Proof) دیں کہ آپ مجھے دوسرے طرف لے جانا چاہتے ہیں۔پھر اس پر میں تحقیق (Research) کرتا ہوں، اس کو میں دیکھوں گا اور اگر اس کو میں نے سمجھا کہ ٹھیک ہے پھر میں مانوں گا۔یہ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ بہت فرق (Difference) ہے بینا اور نابینا میں، بہت (Difference) ہے خالق ومخلوق میں، وہ چاہتا ہے کہ آپ اُس کو اِلٰہ مانیں لَآ اِلٰـهَ اِلاَّ اللّٰه ، اِلٰہ وہ ہوتا ہے جس کی انتہائی عظمت کی وجہ سے آدمی اسکے سامنے ذلیل ہو کر گر جاتا ہے اور جھک جاتا ہے۔لہٰذا وہ آپ کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ ہم آپ کو ایک کامیاب زندگی دیں گے قرآن پاک کی پہلی آیت کہہ رہی ہے سورۃ البقرہ کی ذٰلِکَ الْـكِتَـابُ لَا رَيْـبَ فِيْــهِ ، یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔پہلے اعلان میں اس بات کو کہہ رہے ہیں کہ ہم آپ کو ایک نظام دیں گے اس کے بعد کی آیتوں میں اور وہ نظام ایسا ہوگا کہ وہ لَا رَيْـبَ فِيْـهِ اُس کو آپ (Blind Faith) غیبی یقین کے ساتھ لیں گے اور (Blindly)) اُس کو (Practice) کریں گے اُس پر عمل کریں گے۔تو اس کے نتائج ایسے واضح طور سے سامنے آجائینگے کہ آپ کے اندر سے آپ کا وجدان یہ بات کہے گا کہ واقعی قرآن اور اس کا دیا ہوا نظام لَا رَيْبَ فِيْهِ ہے۔

﴿تصوف کیا ہے؟﴾

(پروفیسر حضرت مسرت حسین شاہ صاحب مدظلہ عالی)
(مرتبہ! محمد الطاف حسین لیکچرار اسلامیہ کالج پشاور)

اللہ جل جلالہ، نے انسان کومحبت کی دولت عطاء فرمائی ہے۔اس کوصحیح استعمال کرنا اس کا ایمان ہے اوردِین ہے،اوراس کوغلط استعمال کرنا ظلم ہے۔دِین کی کسی چیز کوگھٹیا چیز سے ضائع کرنا ظلم ہے۔تواس کے لیے ایک آیت مبارکہ المائدہ کی چوّن (۵۴) آیت ہے۔

آیت: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ مَنْ یَّرْتَدَّمِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ ۙ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ ز یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ ط ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ o

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! جوکوئی تم میں پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ عنقریب لاوے گا ایسی قوم کو کہ اللہ اُن کو چاہتا ہے اور وہ اُس کو چاہتے ہیں،نرم دل ہیں مسلمانوں پرزبردست ہیں کافروں پر،لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اورڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔یہ فضل ہے اللہ کا دے گا جس کو چاہے اور اللہ کشایش والا ہے خبردار ہے۔‘‘

اے ایمان والو، کن سے خطاب ہے؟ ایمان والوں سے، عام لوگوں سے نہیں۔اے ایمان والو! کہ اگرتم میں سے کوئی پھر جائیں اور مرتد ہو جائیں تو عنقریب اللہ ایک ایسی قوم کو لائیں گے جو اللہ سے محبت کریں گے اور اللہ ان سے محبت کریں گے۔ایسی قوم لائیں گے جو کیا کرے گی؟ اللہ پاک ان سے محبت کریں گے اور وہ اللہ پاک سے محبت کریں گے۔یہ جو دِین ہے....کیا ہے؟ محبت ہے۔عام لفظوں میں کہتے ہیں نا عاشقی ہے، ہم تو یہ لفظ استعمال نہیں کرتے عاشقی کا، شاعر لوگ کرتے ہیں۔اکثر محبت کا لفظ استعمال کرتے ہیں کہ دِین محبت کا معاملہ ہے، کہ اللہ ان سے محبت کریں۔حضرت مولانا صاحبؒ کہا کرتے تھے کہ:

یاد کرتے ہو، یاد کرتا ہوں
تم بتاؤ میری خطا کیا ہے

تو وہ اللہ کے محبوب ہوں گے اور اللہ اُنکے محبوب ہوں گے۔اور وہ مومنوں کے لیے جُھکیں گے، اور کافروں کے ساتھ انکی سختی ہوگی۔جی آگے، اللہ کی راستے میں جہاد کریں گے، مجاہدہ کریں گے یا کوشش کریں گے۔کس چیز کی کوشش کریں گے، دیکھیئے نا، بات کیا ہوئی ہے آگے، دِین ہی بتایا جارہا ہے کہ دِین کیا ہے؟ اللہ

تم سے محبت کریں گے اور تم اللہ سے محبت کرو گے۔ پھر دِین کیا ہے؟ مسلمانوں کے لیے نرمی ہو، ایمان والوں کے لئے نرمی ہو، اسلام کے دشمنوں کے لیے سختی ہو۔ کوشش اور محنت کس کی؟ دِین کو پھیلانے کی، اور اللہ کی محبت کو عام کرنے کی۔ دِن کو تبلیغ کریں گے اور راتوں کو مصلّوں پر کھڑے ہوں گے۔ ڈبل محنت کریں گے، اللہ کو راضی کریں گے کہ اپنی مخلوق سے محبت کریں اور مخلوق کو متوجہ کریں گے کہ اللہ سے محبت کریں۔ اس کے لیے جان مال، سب کچھ لگائیں، خون بھی دیں، سب کچھ کریں۔ دین کی ترتیب تو معلوم ہے آپ کو۔ آگے پھر کیا ہوا، اور اللہ پاک کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، جب اپنی بات ٹھیک ہے، تو کوئی کیا کہتا ہے، اس بات پر کسی قسم کا کوئی ملامت کا اثر ہی نہیں (Mind) لیں گے۔ کہ لوگ اس کو اس بات پہ کیا کہیں گے۔ کہتے ہیں (Fundamentalist) ہے، فلانا ہے، فلانا ہے۔ (Terrorist) ہے، یہ ہے وہ ہے۔ ٹھیک ہے؟ کسی قسم کے الزام کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیں گے۔ اور یہ اللہ پاک کا فضل ہے کہ جس کو چاہے وہ ایسا کر دے۔ اللہ پاک کے فضل سے ہوتا ہے۔ یہ جو صوفی حضرات ہوتے ہیں، یہ جو پیری مریدی ہے، یہ کیا ہے؟ محبت کی اصلاح ہے۔ اب اس کے لیے آپ کو بہت آسان سا نسخہ بتاتا ہوں کہ اللہ کی محبت کیسے حاصل ہو؟، وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَشَدُّ حُبًّ لِّلّٰہ اور فَاتَبِعُونِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ دو آیتیں ہیں۔ جو آپ کی حالت ہو یا کیفیت ہو، اس میں اتباع کیجیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، اور اس کو کرتے ہوئے کہیے کہ یا اللہ! آپ کی محبت کی چاہت میں کر رہا ہوں۔ مسواک کریں تو کہیں، اللہ تیری محبت چاہیے، دائیں ہاتھ سے کھانا کھائیں تو کہیں، اللہ تیری محبت چاہیے، اگر کوئی سرمہ لگاتا ہو، سرمہ لگائیں تو کہیے، اللہ تیری محبت چاہیے، دائیں کروٹ سوتے ہو تو کہیے، اللہ تیری محبت چاہیے، روزمرہ کے تمام کام جو آپ کو کرنے ہیں، پانی پینا ہے، کھانا کھانا ہے، لباس پہننا ہے، دایاں ہاتھ پہلے ڈالے تو کہیے، یا اللہ تیری محبت چاہیے، بایاں ہاتھ پہلے نکالے تو کہیں، اللہ تیری محبت چاہیے۔

اب آخر میں بزرگوں کی بات بھی بڑی اچھی ہوتی ہے کہ آدمی کر لے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا تذکرہ ایک کتاب میں تھا حضرت تھانویؒ کا ترجمہ کیا ہوا ہے، اس میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ ایک رات عبادت کر رہے تھے۔ بڑی عجیب حالت تھی۔ پنجوں کے بل اُٹھے ہوئے تھے، آنکھیں اُوپر کو چڑھی ہوئیں تھیں اور ارشاد فرما رہے تھے، کہ جس کا ترجمہ تھا ''تجھ کو تجھ سے مانگتا ہے بایزید، تجھ سے تجھ کو مانگتا ہے بایزید، تجھ کو تجھ سے مانگتا ہے بایزید۔'' رات اس میں گزر گئی، تو خادم بھی ہوتے ہیں، خادم نے پوچھا حضرت کیا

معاملہ تھا۔ تو حضرت نے فرمایا! مجھے چیزیں پیش ہوئیں دُنیا و آخرت کی اور میں کہتا تھا کہ "تجھ کو تجھ سے مانگتا ہے بایزید۔" پیش ہوا کہ مستجاب الدعوٰۃ ہوجاؤ، یہی جواب عرض کیا، تجھ کو تجھ سے مانگتا ہے بایزید، حضرت پیر طریقت ہوجاؤ، تجھ کو تجھ سے مانگتا ہے بایزید، پیر صاحب ہوجاؤ، تجھ کو تجھ سے مانگتا ہے بایزید، تمھاری شفاعت قبول کریں گے لوگوں کے لیے، تجھ کو تجھ سے مانگتا ہے بایزید۔ غرض جو چیزیں پیش ہوتی رہیں، وہ جواب میں یہی عرض کرتے رہے، تجھ کو تجھ سے مانگتا ہے بایزید۔"

تجھ کو مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سَو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

فراقؔ وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از اُو غیرِ اُو تمنّائے

ترجمہ: جدائی اور ملاقات تو کوئی چیز نہیں دوست کی رضا کو ڈھونڈیں کیونکہ اُس سے سوائے اُس کی ذات کے کسی اور چیز کو مانگنا اس پر تو بہت افسوس ہے۔

تو یہ خلاصہ ہے تصوف کا، اور یہ چیز معمولی نہیں، اور یہ دِین ہے۔ اور یہ باقی ساری چیزیں ہیچ ہیں۔ نعت بھی سنتے ہیں تو محبت کی زیادتی کے لیے۔ تو اب ہم نعت سنیں گے، کس لئے؟ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے لیے۔ اس کے بعد نعت خوانی ہوئی۔ شاہ صاحب نے خود بھی ایک نعت پڑھی۔

آتے جاتے موسم دیکھوں
موسم بدلے، ارض و سماء کی گھرائی میں سب چیزوں کی شکلیں بدلیں
میری بند، کھلی آنکھیں، ایک ھی چھرہ دیکھیں، وہ چھرہ ....وہ روشن چھرہ، جس کی کوئی تشبیہ نھیں
موسم بدلے ھر شے بدلے
پر اس چھرے کی رونق میں ذرّہ بھر بھی فرق نہ آئے
دُنیا بھر کی سب علموں کو اَزبر کرلوں، دُنیا بھر کے سب علموں کو بھول بھی جاوں
پر اِک نام، وہ پیارا نام بھول نہ پاوں، بھول نہ پائے چھرہ احمد،

نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بستی بستی، جنگل جنگل، صحرا صحرا، خوشبو بن کر پھیل رہا ھے

ذِکر محمد، فکرِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک ضروری اعلان بھی آپ کے لیے ....سنادوں۔ پچھلے سے پچھلے سال رمضان شریف کے آخر میں لیلۃ جائزہ میں، میں بہت ہی لا اُبالی اور (Careless) قسم کا آدمی ہوں، تو مجھ پہ یہ بہت شدت سے یہ بات آئی، آپ کے اور ہمارے حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہ عالی جو کہ مرید ہیں حضرت مولانا انعام الحسنؒ صاحب (نظام الدین دہلی والوں) کے۔ کیا صحیح ہے؟ اس پر ڈاکٹر فدا صاحب نے کہا کہ صحیح ہے پھر حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔ میں کہوں کہ اجل ہیں، ایسے ہیں، سارے ہی ایسے ہیں، لیکن ماشاءاللہ مریدوں کو کیا پتہ کہ ان کا پیر کتنا تگڑا ہے۔ تو ان کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب قدس سرہ کی یعنی مشائخ کاندھلہ کی جو وراثت ہے، اس کی تصدیق کے طور پر یہ میں ان سے کہوں، پھر مجھے بڑی شرم آئی کہ خود کو دیکھو اور حضرت کو کہوں کہ جی آپ کو، میں تو پیغام رسانی کے طور پر خدمت میں عرض کروں، تو ایک اور سال گزر گیا مجھ سے وہ لکھا نہ جاسکا، لیکن اس بات کی بندے (حضرت مسرت شاہ صاحب مدظلہٗ) کی طرف سے تصدیق ہے کہ حضرت کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے سلسلے کی بھی مناسبت ہے۔ مجھ پر حق ہے، اور اس میں میرے جو گواہ ہیں حضرت مفتی مختار الدین صاحب مدظلہٗ اور حضرت صوفی اقبال صاحبؒ جنھوں نے مجھے ان کی طرف سے اجازت دی تھی۔ تو میں اس بات کی تصدیق آپکی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ مجھے اس میں سال ڈیڑھ سال لگ گیا، لیکن میری مجبوری ہے، کہ میں اس بات کو کہوں، کب تک میں ایک قسم کی امانت اُٹھائے پھروں۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے ڈاکٹر فدا صاحب کے لئے حضرت مولانا ذکریا صاحب کے سلسلے کی خلافت کا اعلان فرمایا اور دعا فرمائی۔

-----☆☆☆☆☆-----

محبت رسول کا معیار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت اللہ کے نزدیک ایسی ہی مطلوب ہے جیسی صحابہ کرامؓ کے دِل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ اس سے کمی بھی جُرم ہے اور اُس میں زیادتی بھی غلو اور گمراہی ہے۔

(تفسیر معارف القرآن جلد:۱)

ریـــــاء(دِکھـــــاوا)

(ظہور الٰہی فاروقی)

ریاء کہتے ہیں کسی عبادت اور نیکی کو کسی شخص کو دِکھانے کے لئے کیا جاوے اور اُس سے کوئی دُنیوی غرض اور اُس سے مال یا جاہ حاصل کرنے کی نیت ہو۔ لیکن اپنے اُستاد یا مرشد یا کسی بزرگ کو اس نیت سے اچھی آواز بنا کر قرآنِ پاک سُنائے کہ ان کا دِل خوش ہوگا تو یہ ریاء نہیں جیسا کہ روایت حدیث کی موجود ہے کہ ایک صحابیؓ کا قرآن رات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا اور دِن میں ان کو مطلع فرما کر اظہارِ مسرت فرمایا تو اُن صحابیؓ نے عرض کیا کہ اگر ہم کو عِلم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سُن رہے ہیں تو میں اور عمدہ تلاوت کرتا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سکوت فرمانا اور نکیر نہ فرمانا مدلول کے لئے دلیل ہے۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص اعمالِ خیر (رضائے حق کے لئے) کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں (تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا رائے ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **تِلْکَ عَاجِلُ بُشْرَی الْمُؤْمِنِ** یہ مومن کی جلد ملنے والی بشارت ہے۔ یعنی یہ دُنیا کا انعام ہے، آخرت کا انعام اس سے الگ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ لوگوں کے دیکھ لینے کے خوف سے اپنا نیک عمل ہی چھوڑ دیتے ہیں، یہ صحیح نہیں بلکہ محققین مشائخ نے فرمایا کہ نیک عمل جس طرح مخلوق کے لئے کرنا ریاء ہے، اسی طرح مخلوق کے خوف سے یعنی ریاء کے خوف سے کسی عملِ خیر کا ترک کرنا بھی ریاء ہے۔ پس جس معمول کا جو وقت ہے اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے اسی وقت کرلے، کسی کے دیکھنے نہ دیکھنے کی ہرگز پرواہ نہ کرے۔ ریاء ایسی بلا نہیں ہے جو بدون نیت اور اِرادہ خود بخود کسی کو چمٹ جائے، جب تک دِکھاوے کی نیت نہ ہو اور نیت بھی غرض دُنیا کی ہو تب ریاء ہوتی ہے۔ اور اگر نیت تو رضائے حق کی ہے مگر دِل میں وسوسہ آتا ہے کہ شاید اس عبادت سے ریاکاری کررہا ہوں تو یہ وسوسۂ ریاء ہے، جس کی ہرگز پرواہ نہ کرے اور نہ پریشان ہو ورنہ شیطان وسوسہ ڈال کر اس عملِ خیر سے محروم کردے گا یعنی خوفِ ریاء پیدا کرکے آپ کو اس عمل ہی سے روک دے گا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ علیہ نے اس کی عجیب مثال دی ہے کہ آئینہ کے اُوپر جب مکھی بیٹھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکھی آئینہ کے اندر بھی موجود ہے حالانکہ وہ باہر بیٹھی ہوتی ہے۔ اس طرح سالک کے قلب کے باہر شیطان ریاء کا وسوسہ ڈالتا ہے اور سالک سمجھتا ہے ہائے یہ تو میرے قلب کے اندر ہے پس اس کو ریاء نہ سمجھے بلکہ وسوسۂ ریاء سمجھے۔ اور بے فکری سے کام میں لگا رہے۔ ترمذی شریف میں

روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے گھر میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک میرے پاس آدمی آ گیا اور مجھے یہ حالت پسند آئی کہ اس نے مجھے اس حالت میں دیکھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہؓ! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے، تیرے لئے دو اَجر ہیں، ایک اَجر پوشیدہ کا اور ایک اَجر علانیہ کا۔ اس حدیث سے کس قدر عابدین کے لئے بشارت ہے۔ کبھی اپنی عبادت کا اظہار جاہ کیلئے ہوتا ہے، یہ بھی بدترین ریاء ہے مثلاً احباب کے حلقے میں کہ کہنا کہ آج تہجد میں بہت لُطف آیا اور خوب رونا آیا۔ اور بہت سویرے آنکھ کھل گئی، یہ باتیں سوائے اپنے مرشد کے کسی کے رُوبرُو نہ کہنا چاہیے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ایک صاحب نے دو حج کئے تھے اور ایک جملہ سے دونوں حج کا ثواب ضائع کر دیا اور وہ اسطرح کہ ایک مہمان کے لئے کہا کہ اے ملازم تُو اس صراحی سے اس کو پانی پلا جو میں نے دوسری بار حج میں مکہ شریف سے خریدی تھی۔

علاج:

ریاء کا علاج حصولِ اخلاص ہے اور حدیث پاک میں اخلاص کی حقیقت یوں ارشاد ہے کہ عبادت اس دھیان سے کرے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ اگر ہم اُن کو نہیں دیکھتے تو وہ تو ہمیں دیکھ ہی رہے ہیں۔ جب حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا دھیان ہوگا، مخلوق کا خیال نہ آئے گا۔ اور یہ مراقبہ یعنی دھیان مشق کرنے سے دِل میں قائم ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر یہ تصّور جمایا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ کچھ مدت تک اس طرح مشق سے استحضارِ حق آسان ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اخلاص کا حصول اور ریاء سے طہارت اہل اللہ کی صحبت اور اُن سے اصلاحی تعلق قائم کئے بغیر عادۃً ناممکن ہے۔ اسی لئے حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اصلاح نفس کے لئے مشائخ کاملین میں سے جس سے مناسبت ہو تعلق قائم کرنا فرضِ عین ہے کیونکہ مقدمہ فرض کا فرض ہوتا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ جس نیک کام میں لگا ہے ریاء کے خوف سے ترک نہ کرے، اپنی نیت دُرست کرے اور زبان سے بھی کہہ لے کہ یا اللہ! یہ نیک عمل آپ کی خوشنودی کے لئے کرتا ہوں۔ پھر اگر خدانخواستہ نفس کی شرارت سے یہ ریاء بھی ہوگی تو چند دِن میں یہ عادت بن جائے گی۔ اس مضمون کو حضرت خواجہ صاحبؒ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے۔ ؎

وہ ریاء جس پر تھے زاھد طعنہ زن
پہلے عادت پھر عبادت بن گئی

(انتخاب از: رُوح کی بیماریاں اور اُن کا علاج)

﴾اصلاحِ نفس﴿

(عباس اخوندزادہ)

عباس صاحب سلسلہ میں بیعت ہوئے اور اصلاحی ترتیب سے گزر کر اصلاحِ نفس کے درجات طے کئے، بعد میں اُن کو اپنی ملازمت کے سلسلے میں کسی اِدارے میں تربیت حاصل کرنا پڑی۔ اس دوران اُن کو اپنی باطنی حالت بدلتی محسوس ہوئی۔ عملی تجربہ سے گزرنے کی بنا پر ان سے کہا گیا کہ وہ اپنے ذہن پر زور ڈال کر اس نقصان کی وجوہات اور اس کا علاج خود تجویز کریں۔ (اِدارہ)

میرے ذہن کے مطابق جنسی جذبات پیدا کرنے کے پیچھے ان پانچ باتوں کا ہاتھ ہے۔

۱. انٹرنیٹ اور کیبل (ٹی وی):

آج کل ہر جگہ ٹی وی موجود ہے۔ کیبل اور انٹرنیٹ بھی عام ہو چکے ہیں۔ اکثر لوگ تو یہ دیکھتے ہی غلط کام کے لیے ہیں۔ مگر سالک (جو تصوف کے ذریعے اصلاح کا خواہش مند ہو) نفس کے دھوکے میں آکر یہ سب چیزیں غلط استعمال کرتا ہے۔ نفس کے بہکاوے سے جب کوئی خبریں سننے یا میچ دیکھنے بیٹھ جاتا ہے، پھر ایک بٹن دبانے سے چینل تبدیل ہو جاتا ہے، اور اپنے آپ کو بچانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انٹرنیٹ کے ٹھیک استعمال کرنے کا بہکاوا ہوتا ہے۔ مگر گندگی چند الفاظ کی دوری پر ہوتی ہے۔ اس لیے کیبل اور ٹی وی تو قطعاً نہ دیکھئے، اور انٹرنیٹ کو کبھی اکیلے استعمال نہ کرے۔ اگر بہت اشد ضرورت ہو تو کسی ایسے شخص کو ساتھ بٹھا کر استعمال کرے، جس سے شرم آتی ہو، مثلاً بھائی وغیرہ۔ اور اگر ضرورت اشد نہ ہو تو انٹرنیٹ کا کارڈ ہی نہ خریدے، یہ اس سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے۔

۲. فضول دوستوں کی مجلس:

آجکل زیادہ تر نوجوانوں کی بات چیت جنس (Sex) کے متعلق ہی ہوتی ہے۔ کبھی کسی لڑکی کے حُسن کا نقشہ بیان کیا جاتا ہے، تو کبھی اس لڑکے کے ساتھ جنسی مذاق کرتے ہیں، جو ان میں سے چھوٹا یا خوبصورت ہو۔ یہ سب مذاق سہی مگر سالک کے لیے تلوار ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کے قابو کرنے میں لگا ہوتا ہے، اور چھوٹی سی لغزش بھی اس پر بہت اثر ڈالتی ہے۔

ایسی مجالس کو ترک کرنا چاہیے اور ان دوستوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اگر کسی طالبعلم کے ساتھ کلاس میں یہ مسئلہ ہو تو وہ ان دوستوں سے بار بار یہ کہتا رہے کہ کیا اللہ اس وقت موجود نہیں اور کیا اس کو تم پر طاقت حاصل نہیں۔ اس طرح اُن کو اللہ کا خوف دلائے۔ اس کے علاوہ ان کے سامنے جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی ہولناکیوں کا ذکر کرے۔

۳. بازار میں گھومنا پھرنا:

آجکل لڑکیاں ایسے کپڑے پہن کر بازاروں میں نکلتی ہیں جیسے ملک میں کپڑے کی شدید قلت ہو۔ جن کو دیکھنے سے باطن پر بُرا اثر پڑتا ہے، اور اگر ساتھ میں کوئی فضول دوست بھی ہو جو اُن پر تبصرہ بھی کرے تو پھر کیا ہی کہنا۔ اس لیے بازار ضرورت کے مطابق جانا چاہیے۔ کسی ایسے بندے کو ساتھ لے کر جانا چاہیے جس سے حیا آتی ہو۔ اور فضول دوستوں کے ساتھ قطعاً نہیں جانا چاہیے۔

۴. نامحرم رشتہ داروں کے ساتھ ملنا:

آج کے دور میں لڑکیاں بازاروں میں بے پردہ جاتی ہیں تو گھروں میں اور رشتہ داروں کے سامنے کیا حالت ہوگی۔ اگر کسی نامحرم رشتہ دار کیلئے سالک کے دل میں غلط خیال آئے تو وہ سالک کے باطن پر برا اثر ڈالتا ہے۔ ہم اس بارے میں بہت بے احتیاطی کرتے ہیں۔ اور ہر رشتہ دار کے ہاں جاتے رہتے ہیں۔ نامحرم رشتہ داروں کے ساتھ نہیں بیٹھنا چاہیے۔ اور بلا ضرورت ایسے رشتہ داروں کے ہاں نہ جائے جن کے گھر میں نامحرم خواتین ہوں۔

۵. وسوسہ آنا اور حدیثِ نفس:

وسوسہ تو ہر کسی کو آ سکتا ہے لیکن اُس کو دل میں جمانا اور جانبوجھ کر اُس سے لطف اُٹھاتے ہوئے اُس کے بارے میں سوچنے کا نام حدیثِ نفس ہے۔ وسوسے کا قلب پر اثر نہیں ہوتا مگر اس کے بارے میں سوچنے سے دل برباد ہو جاتا ہے۔ اور جو چار دوسرے جز و اوپر بیان کئے ہیں وہ بھی حدیثِ نفس کو جنم دیتے ہیں۔ اور حدیثِ نفس سے ہی جنسی رطوبات خون میں خارج ہوتی ہیں، جس سے ارادہ بنتا ہے۔

اس خیال اور وسوسے کے لیے حضرت شیخ نے کیا خوب حل بتایا ہے، کہ جب بھی ایسا خیال آئے تو یہ سوچا جائے کہ یا اللہ تو کتنا بڑا ہے کہ تو نے کس طرح انسان کو پیدا کیا، اور کس طرح شیطان پیدا کیا، پھر انسان کو قلب اور باطن دیا اور شیطان کو یہ خاصیت دی کہ وہ دل میں وسوسہ ڈال سکے، اس خیال سے دھیان اللہ کی طرف ہو جائے گا۔ اور اگر یہ بھی مشکل ہو تو کسی متبادل نیک یا مباح خیال سے اس کو ٹالیں۔ مباح خیال یعنی اپنے دنیا کے کاموں کے بارے میں سوچنا تاکہ پہلے خیال کو یہ دوسرا خیال ٹال دے۔

تین اہم باتیں:

آخر میں تین اہم باتیں لکھتا ہوں۔

۱۔ کوشش کریں کہ اپنے آپ کو ایسی چیز کا موقع نہ دیں جو جنسی جذبات پیدا کریں، کیونکہ خیال کو فوراً ٹالنا تو آسان ہوتا ہے، لیکن جب خیال چھا جائے تو پھر اپنے آپ کو بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔

۲۔ شیخ کے بتائے ہوئے طریقے اور پرہیز سے حالت بہت قابو میں رہتے ہیں، لہٰذا شیخ کے مشورے کی سختی سے پابندی کرے اور شیخ غذاء کی پابندی مقرر کرے تو اُس کی بھی پابندی کرے۔

۳۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ اوپر دی گئیں سب تدابیر ہیں، جن پر عمل کرنے سے انشاء اللہ بہتری ہوگی، مگر اصل چیز اللہ سے دعا اور اللہ کی نصرت ہے۔ ہر وقت اللہ سے یہ مانگے کہ یا اللہ نفس اور شیطان کو ہمارے اوپر غلبہ نہ دے، بلکہ ہمیں ان پر غالب کر، اور باطن سے سارے بُرے اثرات دور فرما۔ آمین

محتاجِ دُعاء: عباس

(بقیہ: اہلِ سُنت والجماعت) -----☆☆☆☆☆-----

شفاعت:

انبیاء علیہم السلام اور بزرگ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ان گنہگار مؤمنوں کے حق میں جن کے باب میں مشیت الٰہی کا اشارہ ہوگا، شفاعت کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی مشیت سے محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں گے۔

بہشت:

بہشت پیدا ہوچکی ہے، اور اس میں باغ، نہریں، میوے، عالی شان مکانات، سایہ دار درخت اور طرح طرح کے ایسے چین اور نعمتیں ہیں جن کا تصور بھی دُنیا میں نہیں ہوسکتا، اور سب نعمتیں لازوال ہوں گی، یعنی نہ اللہ تعالیٰ ان کو چھینیں گے، نہ وہ فنا ہوں گی، بہشتیوں کو ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوگی، وہاں ان کو نہ کسی کا غم ہوگا اور نہ خوف، اور نہ موت آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ چھوٹے گناہ پر سزا دیدے یا بڑے گناہ کو محض اپنی مہربانی سے معاف کردے، اور بالکل سزا نہ دے۔

جن لوگوں کے نام لے کر اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشتی ہونا بتا دیا، ان کے سوا کسی کے بہشتی ہونے کا یقینی حکم ہم نہیں لگا سکتے، البتہ اچھی نشانیاں دیکھ کر اچھا گمان رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید رکھنا ضروری ہے، بہشت میں سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول اور اللہ تعالیٰ کے دِیدار کی نعمت ہے جو بہشتیوں کو بہشت میں نصیب ہوگی، جس کے سامنے تمام نعمتیں ہیچ معلوم ہوں گی۔ دُنیا میں جاگتے ہوئے ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ عمر بھر گو کیسا ہی بھلا بُرا ہو، مگر جس حالت میں موت آئے اور جس حالت پر خاتمہ ہو اس کے موافق جزا وسزا ہوگی۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ O (ال عمران:۱۹۳)

ترجمہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرمادیجئے اور ہماری بدیوں کو بھی ہم سے زائل کر دیجئے اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیجئے۔''

(ختم شد)

ناموسِ رسالت

(پروفیسر اعجاز خٹک، شعبہ پیتھالوجی، خیبر میڈیکل کالج پشاور)

دَ اخو زمونگہ دَ غیرت او دَ ایمان قصہ دہ — ستا سو ناموس دَ زمکے نہ دہ، دَ آسمان قصہ دہ

مونگہ پہ دنیا باندے نور سہ کوؤ کہ ہر سہ کیگی — دغہ قیصہ زمونگ دَ کور دہ، دَ جانان قصہ دہ

شاید ھم دغسے اودہ وختونہ بیا راویخ شی — ویخ شئی ہوشیار شئی داز مونگ دَ امتحان قصہ دہ

زمونگہ سر زمونگہ مال زمونگ اولاد ترے زار شہ — دَ اخو زمونگ دَ نبی آخر زمان قصہ دہ

اعجازہ لوئے اللہ چہ خپل حبیب تہ خپلہ وائی — وَ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَک خو دَ قرآن حصہ دہ

ترجمہ:

یہ تو ہماری غیرت اور ایمان کی بات ہے۔ آپ کا ناموس زمین کی نہیں آسمان کی بات ہے۔ کچھ بھی ہو جائے ہم دنیا میں اور کیا کریں گے۔ یہ بات تو ہمارے گھر کی اور ہمارے جانان (محبوب) کی بات ہے۔ شاید ایسے سوتے وقت، جاگ اُٹھیں۔ جاگ اُٹھو، بیدار ہو جاؤ یہ ہمارے امتحان کی بات ہے۔ ہمارا سر، ہمارا مال، ہماری اولاد اُن کے قربان۔ یہ تو ہمارے نبی آخر زمان ﷺ کی بات ہے۔ اے اعجاز! عظیم اللہ جلّ شانہ خود اپنے محبوب سے فرماتے ہیں وَ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَک (ہم نے آپؐ کے ذکر کو بلند کیا) اور یہ قرآنِ مجید کا حصہ ہے۔

﴿ایک خواب﴾

(صفدر علی، طالبعلم سال چہارم، ایوب میڈیکل کالج، ایبٹ آباد)

حسبِ حکم وہ خواب جو میں نے آپ کو ایوب میڈیکل کالج کے ریسٹ ہاؤس میں سنایا تھا لکھ رہا ہوں۔ جب ہم تیسرے سال میں تھے تو ایوب میڈیکل کالج طلبہ کے احتجاج کی وجہ سے بیس دن کے لئے بند ہوگیا تھا۔ انہی دنوں میں سینا ہال ہاسٹل خیبر میڈیکل کالج پشاور کے سٹڈی روم (Study Room) میں پڑھ رہا تھا۔ میرے پاس ماہنامہ ''غزالی'' بھی تھا۔ میں نے وضو کیا اور مطالعہ کے دوران غزالی کے آخری صفحے پر تصوّف کی تعریف اور اخلاقی فضائل اور رذائل پڑھنے لگا۔ میرے دل پر چوٹ سی لگی اور میری آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوگئے۔ عین اسی وقت میں نے سر نیچے کیا اور غنودگی سی طاری ہوئی۔ خواب میں دیکھ رہا تھا کہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ایک اُونچے سٹیج سی جگہ پر بیٹھے تھے (جو زمین سے تقریباً چار فٹ بلند تھی) میں لوگوں کے حلقہ میں حضرت کے بائیں جانب بیٹھا تھا۔ حاجی صاحبؒ کے ہاتھ میں ماہنامہ غزالی تھا اور وہ اُس کا آخری صفحہ (یعنی تصوف کی تعریف اور فضائل اور رذائل والا صفحہ) پڑھ رہے تھے۔ اِس دوران حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جُوتے ہاتھ میں اُٹھائے ہوئے سیڑھیوں پر چڑھ کے اُس سٹیج پر آئے اور جوتے ایک طرف رکھ کر حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے دائیں طرف بیٹھ گئے۔ غزالی اُس وقت بھی حاجی صاحبؒ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت تھانویؒ نے اخلاقی فضائل و رذائل والے صفحہ پر اُوپر سے نیچے تک اُنگلی پھیری اور فرمایا کہ ''یہ ساری باتیں مجھے حاصل ہیں۔'' حضرت حاجی صاحبؒ نے اُن کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ''تم تو ہو سب سے آگے'' یا اِس طرح فرمایا تھا کہ ''تم تو ہو سب سے اعلیٰ'' حاجی صاحبؒ کی اِس بات پر میں بیدار ہوا۔

-----☆☆☆☆☆-----

اللہ والوں کے فیض سے محرومی کا سبب: بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کا فیض قریب والوں کو نہیں پہونچتا، اس کی کیا وجہ ہے؟ بات یہ ہے کہ سورج میں کتنی روشنی ہوتی ہے کہ کوئی اس کا اندازہ کرسکتا ہے لیکن جب بادل آجاتا ہے تو پھر اس کا فیض رُک جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ والوں کی برکات اور اُن کی رُوحانیت و انوار سے دُور کے لوگ مستفیض ہوجاتے ہیں، ان کا فیض حاصل کرتے ہیں، لیکن جو لوگ قریب ہوتے ہیں ان میں بدگمانی واعتراض ہوتا ہے، تو یہ چیزیں ان کو فیض سے محروم کردیتی ہیں۔ (ملفوظاتِ شاہ ابرار الحقؒ)

اِدارہ اشرفیہ عزیزیہ کی بالاکوٹ زلزلہ کی خدمات

بندہ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک ان سب حضرات کا شکرگزار ہے جنہوں نے زلزلہ کے موقع پر ساڑھے تین لاکھ روپے چندہ جمع کیا۔ڈاکٹر سہیل میڈیکل سپیشلسٹ پشاور اور ڈاکٹر منظور میڈیکل سپیشلسٹ ہری پور جنہوں نے اپنے کلینک بند کئے اور بٹل کے علاقے میں خود ادارے کی طرف سے علاج معالجہ، غذا اور پناہ گاہوں کی شکل میں جو خدمات انجام دیں اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے خزانوں سے بہترین اجر نصیب فرمائے جو اُن کی دنیا کی سرخروئی اور آخرت کی نجات کا سبب ہو۔

تعزیت

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ اور رسالہ غزالی کے فعال رکن ڈاکٹر حاجی امداداللہ صاحب کے بڑے بھائی جناب حاجی عبداللہ صاحب بقضائے الٰہی انتقال کر گئے۔مرحوم صالح، عابد اور داعی شخصیت تھے،موت بھی مبارک نصیب ہوئی۔تبلیغی جماعت کے ساتھ چالیس دن کا دورہ مکمل کر کے آئے۔اور دوبارہ تین روزہ دورے پر گئے ہوئے تھے کہ اچانک سفر کے دوران انتقال ہوگیا۔اِنّـا لِـلّٰـهِ وَ اِنّا اِلَيْـهِ رَاجِعُون o مرنا تو ہر کسی نے ہے۔ایسی مبارک موت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت کے اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے (آمین)

-----☆☆☆☆☆-----

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم..... معیارِ حق ھیں: حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ فرماتے ہیں: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دیکھنی ہو تو صحابہ کرامؓ کی اطاعت دیکھی جائے۔اگر صحابۂ کرامؓ کی پیروی کی جارہی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قائم ہے۔ورنہ نہیں۔اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ رسول اور صحابۂ رسول کے طبقے الگ الگ نہیں، اسی لئے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرقوں کے حق و باطل کا معیار ہیں، ایسے ہی صحابۂ رسول بھی معیارِ حق و باطل ہیں اور جو معیارِ حق و باطل ہوں تو وہ خود قابلِ تنقید نہیں ہوتا۔

جب صحابہ کرامؓ ہی معیارِ حق و باطل ہیں تو ان کی مخالفت ہی سے نیا فرقہ بنے گا، ان کی موافقت سے کوئی نیا فرقہ وجود میں نہیں آسکتا۔بلکہ وہی قدیم ناجی فرقہ برقرار رہتا ہے، جو صحابۂ کرامؓ کے واسطے سے اپنا رُوحانی سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملائے ہوئے ہیں۔ (از ملفوظاتِ حکیم الاسلام)

مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہ.

ترجمہ: جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا نہیں کرتا۔

﴿اظہارِ تشکر﴾

بخدمت جناب سراج الحق صاحب سینئیر صوبائی وزیر صوبہ سرحد، جناب عنایت اللہ صاحب وزیرِ صحت صوبہ سرحد اور محترمہ نسرین خٹک صاحبہ رکن صوبائی اسمبلی صوبہ سرحد۔

اِدارہ سینئیر صوبائی وزیر جناب سراج الحق صاحب اور وزیرِ صحت جناب عنایت اللہ صاحب کا بہت ممنونِ احسان ہے۔اور اُن کے لئے بندہ دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ صوبے کے عوام کی دینی و دُنیوی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔اور اِس خدمت کو اللہ تعالیٰ اُن کے لئے سرمایۂ آخرت بنائے۔

محترمہ نسرین خٹک صاحبہ رکن صوبائی اسمبلی صوبہ سرحد نے اپنے فنڈ انتہائی کوشش سے مستحق مقامات پر پہنچا کر استعمال کئے۔اس کا بندہ گواہ ہے۔ نیز اُنہوں نے ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کے کاموں میں جو ذاتی دلچسپی لی اس کے لئے بندہ انتہائی شکرگزار ہے اور اُن کی ہر طرح کی دُنیوی اور اُخروی ترقی کے لئے دست بدعا ہے۔

﴿تبصرۂ کتب﴾

(حضرت حاجی ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ)

بندہ پر جس قدر اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں اس کا شکر ادا کرنا مشکل ہے۔ان احسانات میں بڑا احسان یہ ہے کہ حضرات علمائے کرام اِس ان پڑھ اور نا اہل کے سلسلہ بیعت میں داخل ہوئے۔یہ کرامت ہے، بندہ کے شیخ و مربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ کی، جن کی برکت سے اہل علم متوجہ ہوتے ہیں۔حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ اس دور میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دونوں کے نمائندے تھے۔حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کی طرف سے تھانوی خلافت حاصل تھی، اور شاہ عبد العزیز صاحبؒ دعا جو دہلوی ذریعے سے گنگوہی سلسلہ سے وابستہ تھے۔اس لیے حضرت کے ہاں ایک طرف تھانوی ذکاوت، احتیاط، رذائل کے فہم کی گہرائی اور تربیت کے بارے میں پرکھ اور فرقانی نگاہ تھی تو دوسری طرف شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ کا دارو گیر اور باطل سے ٹکرا کر اُس کو پاش پاش کرنے کا جذبہ تھا۔برخوردار گرامی قدر مولانا شوکت صاحب ان مہربانوں میں سے ہیں جو سلسلہ میں داخل ہوئے۔پیشِ نظر کتاب ''تسکین الخواطر فی اثبات التوسل بالذوات الفواضل'' شوکت صاحب کی طویل تحقیق اور کاوش کا نتیجہ ہے۔حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کے بعد واقعی شوکت صاحب نے تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔طرز شائستہ اور عالمانہ ہے۔عام مناظرہ بازوں کی طرح ہتک آمیز نہیں ہے۔اس سے بندہ کا دل بہت خوش ہوا ہے۔ کتاب کا باب اول فی اختلافِ العلماء انتہائی مفید ہے۔اللہ تعالیٰ کتاب کو قبول فرمائے، ہمارے لیے باعثِ ہدایت اور ان کے لیے سرمایہ آخرت بنائے۔(آمین)

﴿اصلاحِ اختلاف مخالفت و جنگ و جدال﴾

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

آہ! آخر باڑہ میں پیر سیفو الرحمٰن اور مفتی منیر شاکر کے اختلاف کے نتیجے میں فریقین کے درجنوں آدمی قتل ہو کر موت کی نیند سو گئے۔ بندہ کا تقریباً بارہ سال پہلے پیر سیفو الرحمٰن صاحب سے ایسے تعارف ہوا کہ پروفیسر اسرارالدین صاحب نے پیر سیفو الرحمٰن کے ایک خلیفہ عالم کی دو تحریریں بندہ کو دیں۔ ایک میں لکھا تھا کہ ''رائے ونڈ کے مسٹر عبدالوہاب نے فلاں جگہ ایسی تقریر کی ہے لہٰذا وہ معاذ اللہ کافر ہے۔'' دوسری تحریر میں لکھا تھا کہ ''ہندوستان کے عمر پالنپوری کی کسی دوسرے کے ہاتھ کی لکھی تقریر ہم تک پہنچی ہے جس کی رو سے معاذ اللہ وہ کافر ہے۔'' ان دونوں تحریروں کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ جو مولوی کسی آدمی کی کسی دوسرے آدمی کے ذریعے سنی ہوئی بات، اسی طرح کسی آدمی کے کسی دوسرے کے ذریعے لکھے ہوئے بیان پر بغیر تحقیق کے کفر کا فتویٰ لگاتا ہے تو ایسے مولوی اور اس کے پیر کی علمی سطح تو بہت ہی کمزور ہے۔ رائے ونڈ والے تو ایسی فضول بحثوں میں کبھی اُلجھتے ہی نہیں۔

بندہ نے سلسلے کی کارکردگی کے بارے میں معلومات کیں تو پتہ چلا کہ ہمارے میڈیکل کالج سے ایسے طلباء کو لے جاتے ہیں جو اعصابی لحاظ سے کمزور ہوں اور کم عقل ہوں۔ ایسے طلباء پر باطنی اور روحانی توجہ ڈال کر ان کے دل کو اُچھالتے تھے یا ہوش وحواس اُڑا کر گرا دیتے تھے یا ازخود رفتہ کر کے چیخ و پکار میں مبتلا کر دیتے تھے۔ تصوف کے میدان کا آدمی ہوتے ہوئے بندہ کو یہ پتہ تھا کہ یہ حقیقتِ تصوف نہیں ہے۔ یہ تو مسمیرزم، ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی قسم کی چیز ہے، جسے جدید پیرا سائیکالوجی نے بیان کیا ہے۔ اور کفار بھی یہ شعبدے کر لیتے ہیں۔ اسی طرح منظوم کلام اور خوبصورت آواز کی لے (Note) اور زیر و بم (Rhythm) کے ذریعے دل میں نرمی کی کیفیت طاری کر لینا اور وجد طاری کر دینا حقیقتِ تصوّف نہیں ہے۔ بلکہ توحید رسالت اور آخرت کے عقائد کا قلب میں پختہ کرنا، شخصیت سے کبر، حسد، لالچ کا نکالنا اور اُس کے مقابلے میں عاجزی، اخلاص اور ہمدردی پیدا کرنا نیز معاملات کا صاف کرنا، عبادت کا عادی بنانا، بہترین معاشرت سِکھا کر مفید شہری بنانا اور اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کر کے ہر معاملے میں محتاط بنانا، یہ حقیقتِ تصوّف ہے۔ قرآن و حدیث کے مضامین کو مواعظِ حسنہ کی شکل میں سننا اور مشائخ کی کتابوں سے پڑھنا، نیز مشائخ کی صحبت میں رہ

کراُن کے حالات میں تفصیل سے اِن چیزوں کا مشاہدہ کرنا، یہ اُس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

توجہ، تصرّف، منظوم کلام اور خوبصورت آواز کے زیر و بم اور لَے کو حضرات صوفیاء نے اچھی نیت سے اچھے مقصد کے لئے استعمال کیا ہے لیکن اُسے ایک اضافی چیز سمجھا ہے اُسے کبھی مقصود نہیں سمجھا گیا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے دستر خوان پر خوش ذائقہ اچار اور چٹنی رکھ دی جائے۔ ہر سمجھدار آدمی جانتا ہے کہ اچار چٹنی نہ ہو تو غذا کی طاقت اور فائدے میں فرق نہیں آتا اور کوئی ناسمجھ صرف اچار چٹنی کا چٹخارہ لے لے اور گوشت روٹی کو ہاتھ نہ لگائے تو یقیناً اُس کی صحت گر جائے گی۔

اتفاق کی بات کہ اُس کے مقابلے میں تحریک اشاعتِ توحید وسنّت کے مفتی منیر شاکر کمر باندھ کر میدان میں آ گئے۔ توحید وسنّت کو شدت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے حدود کو پار کر لینا اور نفس و شیطان کو نشانہ (Target) بنانے کے بجائے گرد و پیش کی شخصیات اور علماء کو نشانہ بنانا، اپنے نفس کی اصلاح کرنے کے بجائے دوسروں پر تنقید کرنا، اُن کی تنقیص کرنا اور تقابل و تردید کرتے ہوئے جنگ وجدال کی فضا پیدا کرنا اُن کا طریقہ کار ہے۔ جس کے نتیجے میں ہر سال کئی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں اور یوں مسلمان، مسلمان کا خون گرانے کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں موجودہ دور میں حضرت مولانا الیاسؒ کی تبلیغی تحریک میں توحید زیادہ قوت کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور اصلاحِ نفس کا اچھا خاصا بنیادی کام ہوا ہے لیکن جنگ وجدال اور قتل و قتال کی نوبت نہیں آتی رہی۔ کیونکہ ان حضرات نے شخصیات کے بجائے باطل کا رد کیا اور موضوع اپنا نفس کے اصلاح کو بنایا۔ اگر اس موقع پر اہلِ سنّت والجماعت کے معتدل علماء مفتی غلام الرحمٰن صاحب، مولانا حمداللہ جان صاحب ڈاگئی، مولانا شمس الھادی صاحب شاہ منصور اور قبائل کے بارے میں ماہرین شخصیات جناب عبداللہ صاحب سابق چیف سیکرٹری صوبہ سرحد، پیر مسرت حسین شاہ صاحب سابق پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور اور جناب رستم شاہ مہمند صاحب سابق چیف سیکرٹری صوبہ سرحد کی خدمات حاصل کی جاتیں تو مسئلہ پُر امن طریقے سے حل ہو سکتا تھا۔ بندہ کی یہ بھی سفارش ہے کہ ایف ایم ریڈیو کو عوام کے حوالے نہ کیا جائے کیونکہ ہمارا نظریاتی کلچر اس آزادی کو برداشت نہیں کر سکتا۔

------☆☆☆☆☆------

باپ اور پاپ: حکیم الامت کا ارشاد ہے: فرماتے ہیں کہ (اولاد کو) آزاد چھوڑ دینے والے بے پرواہ کو باپ کہتے ہیں۔ درحقیقت ایسا شخص باپ نہیں بلکہ بیٹے کے حق میں پاپ ہے۔ (اشرف اللطائف)

﴿اہلِ سُنت والجماعت﴾ (آخری قسط)

(حضرت مولانا سیّد سلیمان ندویؒ)

قیامت:

ایک فرشتہ جس کا نام اسرافیل علیہ السلام ہے خدا کے حکم سے صُور پھونکے گا جس سے تمام زمین وآسمان اور آفتاب اور تارے اور پہاڑ سب ٹوٹ پھوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، تمام مخلوقات مر جائیں گی، اور جو مر چکے ہیں ان کی رُوحیں بیہوش ہو جائیں گی، مگر اللہ تعالیٰ کو جن کو بچانا منظور ہو گا ان کو بچالیں گے، ایک مدت اسی کیفیت پر گزر جائے گی پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ تمام عالم دوبارہ پیدا ہو دوسری بار صُور پھونکا جائے گا، اس سے پھر سارا عالم موجود ہو جائے گا، مردے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے میدان میں سب اکٹھے ہو جائیں گے، اور وہاں کی تکلیفوں سے گھبرا کر سب پیغمبروں کے پاس سفارش کرانے جائیں گے، آخر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سفارش کریں گے، سب بھلے بُرے عمل لئے جائیں گے، ان کا حساب ہوگا، اعمال تولے جائیں گے، جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ جنت میں جائیں گے، جن کی بُرائیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ دوزخ کے مستحق ہوں گے، اور جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی اللہ تعالیٰ جو چاہے گا ان کے ساتھ معاملہ کرے گا، نیکیوں کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھوں میں اور برائیوں کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھوں میں دیا جائے گا۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو حوضِ کوثر کا پانی پلائیں گے، جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، لوگوں کو پلِ صراط پر سے چلنا ہوگا، جو نیک لوگ ہیں وہ اِس پار سے اُس پار ہو کر بہشت میں پہنچ جائیں گے، اور جو بد ہیں وہ اس پر سے دوزخ میں گر پڑیں گے۔

دوزخ:

دوزخ پیدا ہو چکی ہے اور اس میں سانپ، بچھو، آگ اور طرح طرح کا عذاب ہے، دوزخیوں میں جن میں ذرا بھی ایمان ہوگا وہ اپنے اعمالِ بد کی سزا بھگت کر پیغمبروں اور بزرگوں کی سفارش کے بعد حسب مشیت الٰہی بہشت میں داخل ہوں گے، خواہ وہ کتنے ہی بڑے گنہگار رہوں، اور جو کافر ومشرک ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور اُن کو موت بھی نہ آئے گی۔ (بقیہ: صفحہ نمبر: ۲۵ پر)

-----☆☆☆☆☆-----